تاریخِ طبری کے مآخذ

نوشتہ : ڈاکٹر جواد علی ، عراق اکادمی ، بغداد
ترجمہ : نثار احمد فاروقی ، دہلی یونی ورسٹی ، دہلی ،

(۴)

(سلسلہ کیلئے دیکھئے : برہان، ماہ مئی ۱۹۶۵ء)

جب وہ راویوں کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کا ذکر کرتا ہے اور اُن کی روایتوں کو لکھتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی ایسے جملے بھی لکھ جاتا ہے جو اس اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً : قالَ أبُو جعفر : واختلفَ السّلفُ مِن أھلِ العِلمِ فی ...." یا ذکر مَن قالَ ذٰلک .... فقالَ بعضہم .... وَقَدْ وافقَ قولَ مَنْ قالَ .... وقالَ آخرون .... قالَ أبُو جعفر وقَدْ وافقَ قولَ مَنْ قالَ ...." یا اسی طرح کے دوسرے جملے۔

لیکن بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ حوادث کے بارے میں وہ اپنی رائے ظاہر کرے اور اُن کا گہرا اساسی تجزیہ پوری صراحت سے پیش کرے۔ کتاب کی اسناد میں جو بعض ایسے مقامات آئے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے متعدد روایتوں کا نقد کیا ہے مثلاً : " قالَ أبو جعفر والصّحیحُ عندنا فی ذٰلک ...." یا "أنا أشُکُّ فِی ذٰلکَ"۔ یا ایسے جملے جو نقدِ روایت یا ترجیح کی طرف اشارہ کرتے ہیں، مثلاً : "وقد زعم بعضہم" یا "قیل" یا "یقولُ"۔ مگر اسے جدید معیارِ تحقیق سے "نقد" نہیں کہا جا سکتا، خصوصاً ایسے مواضع اس کتاب کے عام رجحان کی نسبت بہت کم بھی ہیں۔ یہ ہمیں اُس صراحت کی یاد دلاتے ہیں جو الطبری نے اپنی تفسیر کے

صفحات میں، آراء، وروایات کے نقد میں برتی ہے اور وہ بات اس تاریخ میں کم پائی جاتی ہے، اس کے برعکس وہاں یہ روایات زیادہ واضح اور بھری پڑی بھی ہیں ــ یہ غالباً دونوں کتابوں کے موضوعات کے طبعی اختلاف کا اثر ہے جس نے یہ تفاوت پیدا کیا ہے۔[1]

شوالے کی رائے اسی باعث مستشرق شوالے (SCHWALLY) الطبری کے طریقۂ تاریخ نویسی کو اہلِ حدیث کے طریقے پر شمار کرتا ہے، جو اس باب میں منفرد طریقہ ہے ــ کیوں کہ اس کا رجحان فنی نقطۂ نظر کے ماوراء ہے، مگر وہ اس نقص کی تلافی کتاب کو باعتبار مراجع و مصادر مالدار بنا کر دیتا ہے، جن سے تحقیق میں مدد ملتی ہے اور جو دوسری کتابوں میں دستیاب نہیں ہوتے ــ اور یہی بات تاریخِ طبری کے مرتبے کو محققوں کی نظر میں بلند کر دیتی ہے، اور یہاں ہم خاص طور سے اُن اہم فصول کا ذکر کریں گے اور بعض ان کتابوں سے بحث کریں گے جو ابھی تک نہیں چھپی ہیں اور ان کے چھاپنے والوں کو تحقیق میں مدد ملے گی۔[2]

تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ایک ذمہ دار مؤرخ کے لئے تاریخ نگاری میں زبانی روایات پر بھروسہ کرنا مناسب نہیں ہے، خصوصاً اس زمانے کی تاریخ کے بارے میں، جس میں وہ خود زندہ ہے، یہ تو ہوسکتا ہے کہ راوی محقق ہو، سچا ہو، اور دیانت دار ہو، لیکن وہ اپنے کسی خاص رجحان سے متاثر بھی ہوسکتا ہے ـ یا وہ بغیر تحقیق کے واقعات کو اخذ کر سکتا ہے، یا راوی نے اخذِ روایت میں جس شخص پر بھروسہ کیا ہے ہوسکتا ہے۔ کہ وہ اپنے قول میں صادق نہ ہو، یا حادثے کے بارے میں وہ کسی خاص رجحان سے متاثر یا منفعل ہو، یا اس نے خبر کو جس طرح سمجھنا چاہیے تھا سمجھا نہ ہو، اسی وجہ سے صحابہ اپنے علم و فضل کے باوصف ایک ہی خبر کے بارے میں اختلافِ فہم و ادراک کے لحاظ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اسی لئے اصلی دستاویزوں، کتبوں اور کتابوں کی طرف رجوع کئے بغیر چارۂ کار نہیں ہے، اور اصولِ نقد کا استعمال بھی ضروری ہو جاتا ہے ــ ابن الکلبی کا عمل اس بارے میں الطبری کے طریقے سے بہت مختلف تھا، اور ایسا بہت کم مؤرخوں نے کیا ہے، یعنی وہ خود کینسوں اور دیارات میں جاتا تھا اور کتابوں کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتا تھا؛ اس معیار سے الطبری کی تاریخ کا دوسرا حصّہ کمزور معلوم ہوتا ہے، یعنی وہ حصّہ جو اس زمانے کی تاریخ پیش کرتا ہے جس میں خود مؤرخ زندہ ہے، کیوں کہ صرف روایات پر اعتماد کرنے کا رجحان ہی کافی نہیں ہوسکتا۔ خلفاء کے

---

[1] دائرہ / ۴۹۳

[2] SCHWALLY, 2, P. 141

محلوں کے رجسٹر، دفتروں کے ریکارڈ اور وہ دستاویزیں بھی دیکھنا ضروری ہیں جنھیں رجالِ سیاست وتدبیر نے مدوّن کیا تھا[۱]

اگرچہ الطبری کی یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے شروع میں ختم ہو گئی تھی، مگر فی الواقع تیسری صدی کی تالیفات کا آخری نمونہ پیش کرتی ہے، وہ صدی جو تالیف میں روایتِ عربیہ اور اسلوبِ عربی کی پختگی کے سلسلے میں زیادہ واضح ہے اور حقیقت میں تنہا یہ کتاب تاریخ نگاری کے ایک عہد کے خاتمے کی علامت اور دوسرے انقلابی دور کے آغاز کا اشاریہ ہے۔

طریقہ محدّثین

الطبری ایک محدّث تھا اور اس نے اپنی علمی زندگی کا آغاز درسِ حدیث سے کیا تھا، چنانچہ وہ جمعِ روایاتِ تاریخی میں اور اُن کے نقد کے معاملے میں طریقہ محدّثین سے متاثر تھا، چنانچہ وہ ماثور روایات جمع کرتا تھا اور انہیں اُن کے مصدرِ اصلی تک اسناد کے ساتھ مدوّن کرتا تھا۔ مثلاً کوئی شیخ جس پر وہ اعتماد کرتا ہو یا کوئی گواہ جو حادثے میں شریک رہا ہو یا اس کے بارے میں علم رکھتا ہو یا کوئی کتاب جسے اُس نے اسنادِ متصلہ کے ساتھ پڑھا ہو یا سنا ہو، یا اجازت لی ہو، یا اہلِ بادیہ کی کسی جماعت سے، یا دوسرے شہروں سے آنے والوں سے جنھوں نے حادثے پر وثوق کیا ہو — چنانچہ فنِ نقد یعنی جرح وتعدیل — اور اس نے مسلمانوں میں ترقی کرکے باقاعدہ فن کی حیثیت اختیار کر لی تھی — زیادہ تر راویوں کی ذات سے متعلق ہو کر رہ گیا تھا۔ مؤرخ کے نزدیک راوی کا ایک اعتبار و منزلت ہے اس کے مرویات کا نہیں۔ اس طریقے نے عصورِ اسلامیہ کے اخبار کے سلسلے میں تو صحت کی ضمانت کر لی لیکن یہ ماقبل اسلام کی تاریخ کے سلسلے میں صحت کی ضمانت کرنے میں ناکام رہا۔ اور یہ حصّہ جدید مؤرخ کی نظروں میں عربوں کی تاریخ کا ضعیف ترین حصہ بن گیا۔[۲]

اس کے علاوہ الطبری کے اس طریقے نے نصوصِ تاریخیہ کے محفوظ کرنے میں بڑا اہم احسان کیا خصوصاً بعض

---

[۱] دائرہ/۴۹۳ " اور ہشام بن محمد الکلبی سے روایت ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میں عرب کے اخبار اور آلِ نصر بن ربیعہ کے نسب نامے اور ان میں سے جن لوگوں نے آلِ کسریٰ کی طرف سے گورنری کی اُن کی عمریں اور ان کی تاریخیں حیرہ کے گرجاؤں سے نکلوایا کرتا تھا جس میں اُن کی حکومت اور اُن کے کارناموں کا سارا ریکارڈ تھا۔ (الطبری ۲/۳۷)

[۲] ملاحظہ ہو: علم التاریخ پر عبدالحمید العبادی کی تعلیق ص ۶۶ — اسی طرح "مصطلح التاریخ" تالیف اسد رستم کا چھٹا باب "العدالۃ والضبط" ص ۸۶ اور بعد۔

فصلیں یا وہ اکا دکا حادثے جو آج "کان" کی خبر بن کر آتے ہیں۔

تاریخ الرسل والملوک ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جو اپنے مؤلف کی وسعتِ معلومات اور غیر معمولی ذہانت کا پتہ دیتا ہے، بعد میں آنے والے مصنفوں میں کوئی بھی جمع و تحقیق کا جدید معیار پیش نہیں کر سکا، نہ ان متاخر تاریخ نگاروں میں مختلف روایتوں کے جمع کرنے کا وہ شغف نظر آتا ہے جو ہم الطبری کے ہاں دیکھتے ہیں، ان تاریخ نگاروں کے ایک گروہ نے کچھ ایسی چیزیں البلاذری سے اخذ کی ہیں جن کا ذکر الطبری کے ہاں نہیں ملتا۔ لیکن اس پر بھی انھوں نے الطبری سے اضافہ کیا ہے، بلکہ اکثر اوقات وہ وہاں سے شروع کرتے ہیں جہاں الطبری نے ختم کیا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی الطبری کو فضیلت حاصل ہے [1]

روایات پر اعتماد لیکن تاریخ نگاری میں الطبری کا مذہب اور حوادث کے سلسلے میں اس کے نقطۂ نظر کا ادراک اس کی کتاب کا مقدمہ پڑھ کر ہو سکتا ہے۔ ہم اس مقدمے میں اُسے ایک ایسے عالم کے روپ میں دیکھتے ہیں جو حفظِ روایت کا شوقین ہے۔ روایتوں کو جمع کرنے اور انھیں ترتیب دینے کا اہتمام کرتا ہے، اور عملی فائدے کی طرف اس کا رجحان نہیں ہے، اسی لئے اس کا نقطۂ نظر دوسرے راویوں کے نقطہ ہائے نظر میں دب کر رہ گیا ہے اور راویوں کی بھتات میں وہ ظاہر نہیں ہو پاتا۔ الطبری نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت میں بسر کیا تھا۔ وہ علاقے جو مشرقِ قدیم میں اسلامی ثقافت کے مراکز تھے اور اُس [illegible] شہروں کی زیارت بھی کی تھی، جن کے آس پاس دنیا کے قدیم ترین شہروں کے آثار موجود تھے، اسی لئے اس نے اپنی تاریخ ایک شاہدِ عینی کی طرح لکھی ہے مگر اس نے جو تاریخِ قدیم مدون کی ہے اس میں جتنا وہ مواد ہے جو دوسروں کے ہاں نہیں ملتا۔ وہ اس نے اپنے مشاہدات سے نہیں لکھا ہے نہ ان کھنڈروں کا ذکر کیا ہے جن سے وہ گذرا تھا یا جن کے بارے میں لوگ کہانیاں سنایا کرتے تھے، اسی لئے وہ ہمیں کم از کم حیرہ یا واسط کے حالات بھی نہیں بتاتا ہے۔ نہ کسی دوسرے اسلامی یا جاہلی ملک کے حالات لکھتا ہے۔ نہ اس نے ان شہروں کی تاریخ میں سے کچھ مدون کیا ہے۔ جن سے وہ گذرا تھا، اس معاملے میں وہ المسعودی کا نقیض ہے جس نے اپنی کتابوں میں مشاہدات بھی قلم بند کئے ہیں خواہ وہ غیر منظم اور منتشر ہی ہیں، اس سے فی الواقع معلومات کی گرد آوری کا اشتیاق اور ان کے ادراک کی قابلیت ظاہر ہوتی ہے جو ایک مؤرخ کے لئے واجب ہے اور نقد کا میلان بھی پایا جاتا ہے جو تاریخ کے اہم مستلزمات

[1] دائرہ/۴۹۳۔

میں سے ہے، وہ ان قبیلوں کی عادتوں کا ذکر کرتا ہے جن میں وہ گیا تھا، اُن کے عقائد اور ادیان بتاتا ہے، اُن کی اجتماعی رسموں کا اور عجیب وغریب باتوں کا بیان کرتا ہے۔ یہ سب باتیں الطبری کو متوجہ نہیں کرتیں نہ وہ ان سے متاثر ہوتا ہے۔

الطبری روایات کا شائق ہے اور انہیں اُن کی دوسری شکلوں کے ساتھ پیش کر دیتا ہے، یہ امر وہ قاری کے لئے چھوڑ دیتا ہے کہ اُن مختلف روایتوں سے جو نتیجہ چاہے اخذ کرلے اور جس روایت کو چاہے صحیح سمجھے، اس کے نزدیک استنباط اتنا اہم نہیں جتنی تعلیم تاریخ اہم ہے، یہ اس کا فلسفہ ہے اور یہی اس کا نقطۂ نظر ہے، یہ اسکے ایک قول سے واضح ہوتا ہے:

"اور ہماری اس کتاب میں ناظرین دیکھیں گے کہ میں نے جو کچھ یہاں ثبت کیا ہے اس پر اعتماد کیا ہے اور یہ وہی اخبار ہیں جو مجھ سے روایت کئے گئے اور میں اُن کا بیان کرنے والا ہوں، یا وہ آثار جن کے راویوں کی اسناد میں نے جمع کی ہیں، غیر اس سے کہ عقلی دلیلوں سے ان کو سمجھا جائے یا غور وفکر سے استنباط کیا گیا ہو، سوائے چند مقامات کے۔ جب کہ اخبار ماضین کا علم یا اپنے زمانے کی خبریں ان لوگوں سے پہنچی ہیں جنھوں نے ان کا مشاہدہ نہیں کیا نہ ان کا زمانہ وقوع پایا۔ بلکہ مخبروں اور ناقلوں کے ذریعے سے آئی ہیں اور ان میں عقلی استخراج یا فکری استنباط سے کام نہیں لیا گیا، اس لئے اگر میری اس کتاب میں کوئی ایسی خبر آئے جسے ہم نے اگلے لوگوں سے نقل کیا ہے، اور جن کے تسلیم کرنے سے آج کا قاری ابا کرے یا وہ سامع کو اچنبھے میں ڈالدیں اس لئے کہ اُن کی صحت معروف نہیں یا معنی میں حقیقت نہیں، تو جان لینا چاہیے کہ اس میں (صحت یا صداقت) ہم سے پہلے سے ہی نہیں ہے اور بعض ناقلوں نے اسے ہم تک پہنچایا ہے اور ہم تک جس شکل میں یہ روایت پہنچی تھی ہم نے جوں کی توں بیان کر دی ہے۔"[1]

الطبری اور ابن مسکویہ یہ تاریخ کے معاملے میں الطبری کی رائے ہے۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رائے کا موازنہ ایک دوسرے مورخ کی رائے سے کیا جائے جو اگرچہ الطبری سے بعد کے زمانہ کا ہے، لیکن یہ اختلافِ زمانہ

[1] الطبری: التاریخ جلد ۱/۵ (طبع لائیڈن) دورۂ اُولیٰ ۶/۱۔

دو آدمیوں کے مابین موازنہ کرنے سے منع نہیں کرتا ۔ یہ مورخ ابن مسکویہ ہے، جس نے الطبری کی تاریخ سے بھی نقل کیا ہے ۔ اور اس تاریخ کے راوی ابن کامل سے اس کی روایت کی اجازت حاصل کی ہے ۔

ابن مسکویہ کی نظر میں تاریخ ایسے مدون تجربات کا نام ہے جو اسلاف پر گذرے اور یہ اچھا ہے کہ اخلاف اُن سے آگاہ ہوں اور انھیں پڑھیں اور پیش آنے والے حوادث سے نپٹنے میں انھیں اپنا امام بنائیں :

"کیوں کہ دنیا کے معاملات ایک جیسے ہیں اور احوال بھی یکساں ہیں اور انسان نے جو کچھ محفوظ کیا ہے وہ گویا اس کے تجربات ہیں، جو اس نے دوسروں تک پہنچائے ہیں اور اس طرح بیان کئے ہیں گویا وہ اس سارے زمانے میں خود زندہ رہا ہے اور ان احوال سے خود گذرا ہے ۔ انسان نے اپنے ان احوال کا ایک باخبر کی طرح سواگت کیا ہے، اور اُن کے وقوع سے پہلے اُن کا عرفان حاصل کر لیا ہے، اور انھیں اپنا نصب العین اور مینی فیسٹو بنا لیا ہے ۔ اس طرح اس نے اُن سے مقابلہ کرنے اور دشواریوں پر فتح پانے کے لئے اپنے تئیں تیار کیا ہے ۔

کوئی امر اپنے وقوع سے پہلے واضح نہیں ہوتا، اس لئے وہ انھیں ایک ایسے اجنبی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا جسے ہر نئی پیش آنے والی مصیبت پریشان کر دیتی ہے، یا ہر جدید حادثہ دہشت زدہ بنا دیتا ہے۔"[1]

اور اسی نظریۂ تجربات کے پیشِ نظر ابن مسکویہ نے زمانہ ماقبل اسلام کی تاریخ میں اختصار سے کام لیا ہے اور صرف وہی باتیں اخذ کر لی ہیں جن میں کوئی فائدہ یا موعظت ہے، یا وہ کچھ سکھاتی ہیں، یا وہ باتیں جن کا تعلق شہروں کی عمارتوں سے ہے یا سیاسات سے ہے، اس نے رعایا کے اقوال، اور فوج کی نیات کی اصلاح، یا جنگ

---

[1] تجارب الامم وتعاقب الھمم (مرتبہ گب) جلد ۱ ص ۱ (طبع امدروز) القاہرہ ۱۹۱۴ء ترجمہ مؤلف ۱/۲ ۔

ابن مسکویہ کا پورا نام ابو علی احمد بن محمد بن یعقوب اور لقب مسکویہ ہے، وہ ۴۲۱ھ میں مرا۔ درک : یاقوت : الارشاد ۲/۸۸ وبعد ۔ ابن القفطی : تاریخ الحکماء/۳۳۱، طبع لپرٹ ۔ روضۃ الافراح ونزہۃ الارواح (یا نزہۃ الارواح وروضۃ الافراح) مؤلفہ شمس الدین محمد بن محمود الشہرزوری الاشراقی ورق ۱۸۳ میں "احمد بن محمد مسکویہ" ۔ اور مجمع العلمی العراقی میں نسخہ برٹش میوزیم کا اوٹوگراف (نمبر ایڈیشنل ۲۳۳۶۵) نیز BROCKELMANN: G.A.L. VOL 1, P 342. SUPPL. 1 P. 582

ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM VOL. 2 P 404

کے چلے، لوگوں کے مکر و فریب، یا جو ترکیبیں دشمن کے لئے اختیار کی گئیں یا وہ جو کرنے والے ہی کے گلے پڑ گئیں، یا اُن اسباب کا ذکر جن سے کسی قوم نے اقتدار کے زمانے میں پیش قدمی کی یا وہ احوال جن کی وجہ سے دوسرے پیچھے رہ گئے — اور ان سب باتوں کے پیش کرنے سے اس کا مقصد یہ ہے کہ علمِ تاریخ وزیروں اور سیاست دانوں کے لئے اور اربابِ حل وعقد کے لئے ایک سبق بن سکے - وہ کہتا ہے:

"اسی لئے میں نے یہ کتاب جمع کی ہے اور اس کا نام تجارب الامم رکھا ہے - اس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھانے والے اور سب سے زیادہ بہرہ مند ہونے والے، اور حظ حاصل کرنے والے وزیر، اور فوجی لوگ، سیاست داں، اور امورِ عامّہ وخاصّہ کے معتمدین ہیں، پھر انسانوں کے سارے ہی طبقات ہیں، اور سب سے کم فائدہ اٹھانے والے بھی اسے تدبیرِ منزل کی باتوں سے اور دوستوں کے قصّوں اور عجیب وغریب باتوں کے بیان سے خالی نہیں پائیں گے اور اس کے ساتھ ہی وہ داستاں سرائی بھی ملے گی جسے وہ دوسری کتابوں میں پاتے ہیں، اور جسے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔" [1]

نظریۂ افادیت

انھیں مذکورہ اسباب کی وجہ سے ابنِ مسکویہ نے اخبارِ ماضی کے اُن اہم حوادث کے بیان پر اکتفا کیا ہے جن میں انسانوں کے لئے کوئی عملی فائدہ ہے - چنانچہ وہ اُن لوک قصّوں اور اساطیر کو زیادہ تفصیل سے بیان نہیں کرتا جو پرانی قوموں سے منتقل ہوتے آئے ہیں اور نہ اسرائیلیات کی طرف توجہ کرتا ہے، کیوں کہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ سب اخبار وہ ہیں:

"جو اُن خبروں سے بھرے ہوئے ہیں جو خرافیات اور قصّہ کہانیوں کی راہ سے آتی ہیں، جن کا فائدہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ خواب آور ہیں یا حیرت آفریں ہیں، یہاں تک کہ وہ اُنھیں سنتے سنتے نیند میں غرق ہو جاتا ہے، یا اُن سے اُکتا جاتا ہے تو اُن کا فائدہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور اُن کے سامع یا قاری کو کوئی ایسا رشتہ ہاتھ نہیں آتا جو ایک واقعے کی کڑی دوسرے سے ملا دے، بلکہ وہ ایک نکتے کو دوسرے کے سامنے آنے سے پہلے ہی بھول جاتا ہے……"

---

[1] تجارب الامم جلد ۱/۱-

محض اسی سبب سے ہم نے انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا یا اُن سے متعلق تنبیہوں کا تذکرہ نہیں کیا۔ کیوں کہ ہمارے زمانے کے لوگ ان باتوں سے کوئی ایسا تجربہ حاصل نہیں کرسکتے جو انھیں پیش آنے والے امور میں معاون ثابت ہو۔ بلکہ ان میں جو بشری تدابیر ہیں اُن کا اعجاز سے علاقہ نہیں...... اور ہم نے اسے خدائے عزوجل کے ذکر سے شروع کیا ہے، اور پھر طوفان (نوح) کے بعد کے جو اخبار ہم تک پہنچے ہیں۔ اس سے پہلے کے حوادث کو غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ترک کردیا ہے اور اس لئے بھی کہ جو کچھ منقول ہوا ہے اس میں افادیت کا عنصر نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم ذکر کرتے اور اپنی کتاب کے شروع میں جگہ دیتے"۔[1]

ابن مسکویہ نے زمانہ ماقبلِ اسلام کے اخبار میں اختصار سے کام لیا ہے، مگر وہ اہلِ فارس کے اخبار قدرے تفصیل سے بیان کرتا ہے، کیوں کہ وہ خود بھی اُن میں سے ہے، یہ رجحان اس کے قومی شعور کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کے برعکس الطبری نے زمانہ ماقبلِ اسلام اور زمانہ مابعدِ اسلام دونوں کے اخبار میں تفصیل کو ملحوظ رکھا ہے کیوں کہ وہ ایک عالم اور محدث ہے اور اپنا علم لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے، اور اپنی تحقیقات طالبینِ علم تک پہنچانا چاہتا ہے۔

حولیات حولیات کی صورت میں تاریخ کی تدوین کا طریقہ مورخ کو ترتیبِ سنین کا پابند بنادیتا ہے اور یہ تاریخ کے قدیم ترین طریقوں میں سے ہے، یہ آشوریوں میں رائج تھا اور مصری و بابلی بھی اس سے واقف تھے، یونان اور رومان کے بھی بہت سے مورخوں نے اسے برتا ہے۔ اس میں اور تاریخ نگاری (CHRONICLES) میں کہ وہ بھی ترتیبِ زمانی کی پابند ہے۔ یہ فرق ہے کہ موخر الذکر میں اگرچہ تاریخی ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا ہے، پھر بھی مہینوں اور برسوں کی منطقی ترتیب لازمی نہیں ہوتی۔[2] عربوں کی عام تاریخوں میں سے بیشتر دونوں طریقوں کی جامع ہیں جیسا کہ الطبری نے کیا ہے۔

الطبری نے اپنی کتاب میں تسلسلِ حوادث کو ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ اس نے وقائع کو اُن کے حدوث کی

---

[1] تجارب الامم جلد ۱ ص ۲۔

(2) ALFERD FEDER: LE HR BUCH DER GESCHICH TLICHEN METHODE. REGENSBURG. 1924 P. 92

ترتیب سے سال بہ سال لکھا ہے، اور اس طرح اس نے ہجرت کے پہلے سال سے ۳۰۲ھ تک کے واقعات قلم بند کئے ہیں، ان برسوں میں جو کچھ ہوا ہے، اگر وہ قابلِ ذکر ہے تو الطبری نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اگر حادثہ طویل ہے تو وہ اسے باعتبارِ سنین اجزاء میں تقسیم کر دیتا ہے، یعنی جس سال میں اس حادثے کا جتنا جزو واقع ہوا اتنا بیان کر دیتا ہے یا پہلے پورا واقعہ مجملاً بیان کر دیتا ہے پھر اسے مناسب مقامات پر تفصیل سے قلم بند کرتا جاتا ہے، اسی طریقے کو حولیات (ANNALS) کہا جاتا ہے۔

وقائع — لیکن اس کی تاریخ کا پہلا حصہ، اور وہ ماقبلِ اسلام سے ابتدائے آفرینش تک کے واقعات پر مشتمل ہے وہاں الطبری نے حوادث کے بیان کا دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے یہاں وہ واقعات کی سال بہ سال ترتیب ملحوظ نہیں رکھتا، یہ غیر ممکن بھی تھا۔ بلکہ وہ اس نہج پر چلا ہے۔ جس پر اکثر مورخین عمل کرتے ہیں جو علمائے توراۃ کے اسلوب کی تقلید میں پہلے آفرینش کا پھر انسان کی پیدائش، اور انبیاء کی بعثت کا بیان کرتے ہیں جیساکہ توراۃ میں وارد ہوا ہے پھر ان حوادث سے بحث کرتے ہیں جو ان انبیاء کے زمانے میں پیش آئے یا اُن بادشاہوں کا بیان کرتے ہیں جو اُن کے ہم عصر تھے اور پھر اُن بادشاہوں نے جو لڑائیاں کیں یا اُن سے متعلق جو حوادث ہیں اُن کا بیان ہوتا ہے۔ پھر اُن اُمتوں کا تذکرہ آتا ہے جو انبیاء کے بعد ظہورِ اسلام تک پیدا ہوئیں۔ یہ اہلِ کتاب کا معروف طریقہ ہے اور اسے تدوینِ تاریخ میں "تاریخ" یا وقائع (CHRONICLES) کہا جاتا ہے۔[1]

مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں الطبری کی پیش رو علماء کی ایک جماعت ہے۔ جس میں الہیثم بن عدی (متوفی ۲۰۷ھ) بھی شامل ہے جس نے تاریخ کی ایک کتاب شہور و سنین کی ترتیب سے لکھی تھی۔[2] اسی طرح جعفر بن محمد بن الازہر بن عیسٰی الاخباری (متوفی ۲۷۶ھ) نے بھی سنین کی ترتیب سے ایک تاریخ لکھی تھی۔[3]

---

[1] FLINT (R): HISTORY OF THE PHILOSOPHY OF HISTORY 1893 PP 157 & ENCYCLOPAEDEA BRITANNICA (ARTICLE: CHRONICLES)

[2] احمد امین: ضحی الاسلام (۱۹۳۵ء) ص ۳۵۸ - کتاب التاریخ علی السنین - الفہرست ص ۱۴۶ (طبعِ مصر) الہیثم بن عدی - ابوعبدالرحمٰن الطائی الکوفی - اخباری اور مورخ تھا اس نے مجالد اور ابن اسحٰق اور اُن کی جماعت سے روایت کی۔ وہ متروک الحدیث ہے۔ اور ابو داؤد سجستانی اسے "جھوٹا" کہتا ہے۔ الشذرات ۱۹/۲ - امام احمد نے کہا ہے: وہ صاحبِ اخبار تھا اور گھڑنت بھی کرتا تھا۔ متروک الحدیث ہے اور اس کا وہی مقام ہے جو الواقدی کا ہے - لسان المیزان ۲۱۰/۶ - کتاب التاریخ علی السنین۔ الوفیات ۲۶۹/۲

[3] الفہرست ۵۳/۲ (طبعِ یورپ) یاقوت: الارشاد ۲۴۷/۲ -

الطبری نے اپنی کتاب میں بعض ایسی کتابوں کے اقتباسات محفوظ کردیئے ہیں، جنھیں زمانے نے ضائع کردیا۔ اور حضرات عبداللہ بن عباس، مجاہد، عاصم، قتادہ، کعب الاحبار، وہب بن منبہ، عبداللہ بن سلام، الزہری، الشعبی، ابومخنف وغیرہ کے اقوال سے بہترین حصے ہم تک پہنچا دیئے ہیں - اسی طرح اُن قدیم کتابوں کی عبارتیں محفوظ کردی ہیں جو صدر الاسلام کی تاریخ اور احداثِ سیاسی کے موضوع پر لکھی گئی تھیں، اُس نے یہ اقتباسات اُن کتابوں سے لئے ہیں جو ان موضوعات سے مختص تھیں یا اُن لوگوں سے جو ان حوادث کو درایۃً یا اپنی اطلاعات کی رو سے جانتے تھے - اس نے اسرائیلیات کا موضوع ان کتابوں سے لیا ہے جو وہب بن منبہ کے اقوال پر مبنی تھیں اور عربِ قدیم کی تاریخ کے بیان میں اُن اخباریوں پر اعتماد کیا ہے جو اس کا علم رکھتے تھے مثلاً عبید بن شریہ اور الاصمعی اور الشعبی و محمد بن السائب الکلبی، خاص طور سے فارس اور عراق کی تاریخ میں اور سیرۃ میں اس نے سیرۃ محمد ابن اسحٰق پر اعتماد کیا ہے، سیرۃ کی بعض دوسری کتابوں سے بھی اخذ کیا ہے جن کا ہم بعد میں ذکر کریں گے - اس نے وہب بن منبہ کے مغازی سے کچھ اخذ نہیں کیا، کیوں کہ وہ اس معاملے میں وہب کو معتبر نہیں سمجھتا جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔

کلیسائی نظریۂ تاریخ الطبری نے عام تاریخ لکھنے والے اکثر مورخوں کی طرح، اپنے عہد کی عام اسپرٹ سے متاثر ہوکر سیاسی تاریخ پر توجہ کم رکھی ہے، صرف عالمِ عربی کے جمہور مورخین ہی اس نظریے کے پیرو نہیں تھے بلکہ عرب سے باہر کی دنیا میں بھی یہی حال تھا - مثلاً نصرانی دنیا کے مورخ کلیسائی نظریات سے متاثر تھے اور انھیں اصولوں پر تاریخ کی تفسیر کرتے تھے، سب سے پہلے ایک کلیسائی فلسفی اغسطین ST. AUGUSTINUS نے اپنی کتاب " خدا کی مملکت کے بارے میں بارہ صحیفے "[1] میں اس نظریئے کو اپنایا اور اس کے قواعد وضع کئے۔ چنانچہ اس نے تاریخ کو دو قوتوں کی نبرد آزمائی کی داستان بنا کر پیش کیا یعنی ایک آسمانوں میں خدا کی حکومت جو حق اور عدل پر مبنی ہے اور دوسری شیطان کی مملکت (TEUFELSREICH) جو زمین پر قائم ہے اور جس سے گراوٹ اور گمراہی پیدا ہوتی ہے - اس کی تکوین خطاؤں سے ہوئی ہے اور اس کا پہلا باشندہ

---

[1] تالیف مابین ۴۱۳ - ۴۲۶ عیسوی۔ "DE CIOITATE DEI"

BERNHEIM: EEINLEI TUNG IN DIE GESCHICHTS WISSEN SCHAFT P. 19

قابیل (KAIN) تھا، اور ھابیل (ABEL) جسے خدا نے اپنی مہربانی سے نوازا تھا۔ آسمانوں کی مملکت کا رہنے والا تھا، اسی خیر و شر کی نزاع سے تاریخ پیدا ہوئی ہے جو بالآخر خداوندی مملکت کے غالب آنے اور انسان کے خطاؤں سے نجات پانے پر منتہی ہوگی اور ایک نجات دہندہ کے ظاہر ہونے اور زمین پر اپنی تعلیمات پھیلانے پر اس کا خاتمہ ہوگا۔ اس وقت مومنین گمراہوں کی حکومت کا مقابلہ کریں گے اور عدل کی سیادت قائم ہوجائے گی اور شیطان کا عمل زائل ہوجائے گا اور امن قائم ہوگا۔ ہر قسم کے آثارِ فساد فنا ہوجائیں گے۔ اس کے بعد ہی قیامت آئے گی جب کہ "اللہ کی اولاد" آسمانی حکومت میں "ابدیت" حاصل کرلے گی۔[۱]

بنا بریں انسانیت کی تاریخ در اصل قوموں کے مقابلے اور اُن کے انقلابات کی داستان ہے جس کا انجام فضیلت اور ایمان پر ہوتا ہے، اور اس میں پیش رفت کرنا مومنوں پر بحیثیت افراد اور بحیثیت حکومت واجب ہے تاکہ اللہ کے اوامر کو نافذ کیا جاسکے اور گمراہوں میں صداقت کا کلمہ پہنچایا جائے، اگر ایسا کیا گیا تو آسمانی حکومت کی وطنیت حاصل ہوجاتی ہے، اور یہیں سے "پاپائیت" کا اقتدار دوسرے تمام اقتداروں پر غالب ہوجاتا ہے، کیوں کہ وہ خود کو زمین پر "مسیح" کا نمائندہ کہتی ہے، پس اس کے اوامر کی اطاعت کے معنی ہیں اللہ کے احکام کی پیروی کرنا۔ اور اس کے احکام کی مخالفت کا مطلب ہے خدا کے احکام سے روگردانی۔ یہی تفسیرِ تاریخ میں کلیسا کا رسمی نظریہ ہے اور اس نے قرونِ وسطیٰ میں سیاستِ عالم کی توجیہ میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔[۲] (باقی)

[۱] BERNSTEIN. P 20. ALFRED FEDER P. 320

[۲] BERNHEIM: MITTELALTERLICHE ZEITSCHAUUNGEN IN IHREM EINFLUSS ANF POLITIK UND GESCHICHTSCHREIBUNG TEIL 1. 1918

از: ڈاکٹر محمد اقبال صاحب انصاری

نیل سے فرات تک

مصنف کے ان خطوط کا مجموعہ جو مصر، لبنان، شام، اردن، حجاز، عراق اور یروشلم سے لکھے گئے، عرب دنیا کی ہلچل، ان کی کامرانیاں، اور مایوسیاں، ان کی معاشرت اور سوچ بچار وغیرہ — عرب دنیا میں، خاص کر مصر میں قیام کے دوران مصنف کا اُردو دنیا کو ایک دستاویزی تحفہ۔ صفحات ۱۸۴ مجلد -/۳

• مکتبہ برہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی •